

حافظ راشد الحق سمیع حقانی

یاد و فرستگان

اپنی محترمہ مرحومہ پھوپھی کی یاد میں چند آنسو

آج اپنی شام تنہائی کا ہے منظر جدا جوش درد دل جدا ہے جوش چشم تر جدا چار ماہ بعد جامعہ ازہر (مصر) سے وطن واپسی ہوئی ہے۔ اور آج اپنے معزز قارئین سے ایسی حالت میں مخاطب ہو رہا ہوں کہ قلم دل و دماغ اور آنکھوں سے خون میں آلودہ اشک رواں ہیں۔ لمبے سفر کی تھکاوٹ کے ساتھ ساتھ کاندھوں پر اپنی محترمہ پھوپھی صاحبہ کی اچانک ابد و حناک اور جوان موت کا بوجھ بھی نیے آیا ہوں۔ میرا تو ارادہ تھا کہ وطن واپسی پر کسی ادبی، چاشنی و رنگینی سے بھرپور کسی نئے سلسلہ مضمون کا آغاز کروں گا۔ لیکن ”عرفت ربی بفتح العزائم“ کے مصداق آج اپنی محترمہ و مغفورہ پھوپھی کی یاد میں نوحہ خوانی اور مرثیہ غم لکھنے بیٹھ گیا ہوں۔ سوچا کیا تھا اور ہو کیا گیا۔ میں اپنے پیچھے ایک ایسی ہستی کو کھو بیٹھا ہوں جو شفقت و محبت میں میری والدہ ماجدہ جیسی تھیں۔ یہ قیامت میری غیر موجودگی میں برپا ہوئی۔ میں جب سفر سے دل ویراں سمیت لوٹا تو پیچھے اپنی کالیہ ہی پلٹ گئی تھی۔ واپسی پر یہاں یوں محسوس ہوا کہ ہر شے اپنی خوشی کھو بیٹھی ہے۔ شاخ و گل کا ذکر ہی کیا پورا باغ کا باغ خزان منظر نظر آیا۔ ایک ویرانی سی ویرانی چار سو پھیلی ہوئی تھی۔ گلی کوچے اور دروہام بجے بجے سے تھے۔ آسمان اور زمین بھی افسردہ نظر آرہے تھے۔ اور میرا حال یہ تھا کہ اپنے ہی طلب و جھجھو سے شکوہ سنج رہا۔

میرے ساتھ چلنے والے تجھے کیا ملا سفر میں وہی دکھ بھری زبیں ہے وہی غم کا آسمان ہے؟ دل و دماغ پر اس حادثہ کا عکس تو ۲۵ دن بعد قاہرہ میں ہی پڑ چکا تھا۔ جب پاکستان اےمبسی کے ہیڈ کونسلر جناب شیر محمد خان صاحب نے فون پر میرے ساتھ تعزیت کرنا چاہی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ آپ مجھ سے کیا کہہ رہے ہیں؟ کیونکہ اس دوران میں کئی بار حضرت والد صاحب مدظلہ اور بھائی جان سے فون پر گفتگو کر چکا تھا لیکن انہوں نے اس حادثہ کی بارے میں مجھے مصیبتنا بے خبر رکھا۔ فون پر میری گھبراہٹ اور پریشانی کو دیکھتے ہوئے آپ نے واضح صورتحال نہیں بتائی لیکن میں نے اصرار کر کے اپنی شاخ نشین پر گری بجلی کا حال دریافت کرنا چاہا۔

مے قفس میں مجھ سے رُوداد چن کھتے نہ ڈر ہمد گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیان کیوں ہو اس جانکاہ خبر نے ایک مسافر بے وطن کے ہوش و حواس کے خرمن کو لمحہ بھر میں راکھ کر دیا۔

ع مارا دیار غیر میں مجھ کو وطن سے دور

میں تو اپنی باحیا عفت ماب صبر و رضا کی پیکر پھوپھی کو زندہ خوش و خرم صحت و عافیت کے ساتھ اپنے گھر کی دہلیز پر الوداع کہتے چھوڑ گیا تھا۔ معلوم نہ تھا کہ مجھے سفر پر بھیجے ہوئے خود سفر آخرت کو کوچ کر جائیگی۔ اور ہماری یہ چند ماہ کی عارضی جدائی ہمیشہ کیلئے فرقت دوام کی شکل اختیار کر جائے گی۔ ہم ایسے بکھر جائیگے کہ پھر شاید صبح قیامت کو ہی ملیں۔ آسمان اور قاضی تقدیر نے ہمارے درمیان فراق کی ایک ایسی لکیر کھینچ دی ہے کہ آئندہ رسم و راہ ہونے کی کوئی بھی صورت باقی نہیں رہنے دی۔ آج ہفتہ دس دنوں سے کوشش کر رہا ہوں کہ کچھ نہ کچھ آپ کے بارے میں لکھ سکوں، لیکن طبعیت اور قلم دونوں نہیں سنہلے ایک کو راضی کرتا ہوں تو دوسرا ساتھ نہیں دیتا حادثہ کی اطلاع کے بعد بیس دن تک وطن سے دور مسافت و تنہائی میں تصویر غم اور سراپا سوز و الم رہا۔ گو کہ اسی دوران راقم نے حتیٰ امکان صبر کا دامن تھامے رکھا۔ لیکن جب وطن والہی ہوئی تو آپ کے گھر اور مزار پر اشک ہائے درد کے سامنے ضبط کے سارے پشتے ٹوٹ گئے۔

سہ کیوں گردش مدام سے گھبرا نہ جائے دل انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں اس اچانک حادثہ سے بستی دل کی ساری شوخیاں و سرگرمیاں بجھ گئی ہیں۔

سہ تھی وہ اک شخص کے تصور سے اب وہ رعنائی خیال کہاں

یہ چند سطور بھی بڑی مشکل سے لکھے ہیں۔ حزن و غم میں ڈوبے ہوئے قلم کی یہ ایک شکستہ تحریر ہے اور ایک بھتیجے کے ٹوٹے ہوئے دل کے چند درد انگیز مالے اور چشم تر کے چند خوں فشاں آنسو ہیں۔ جو ان کی یاو میں رقم کر رہا ہوں۔ میرے ساتھ سوائے دعا، قلب حزیں اور قلم و قرطاس کے بچا ہی کیا ہے؟ ع جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہینگے۔

زندگی کے ستم ہائے بے حساب اور سانحات بے کراں سے یوں تو روز اول ہی سے گہرا واسطہ چلا آ رہا ہے۔ لیکن ان دو عشروں میں ہمارے دھیال و ننھیال کے خاندانوں کے کئی آفتاب و مہتاب غروب ہو چکے ہیں۔ اس عرصہ میں ہم نے بہت کچھ گنویا ہے۔ لیکن اس نئے چراغ کے بجھنے سے تو گویا پورے خاندان کی رونق ہی چلی گئی ہے۔ زندگی کی گراں باری و بے قراری بڑھتی چلی جا رہی ہے کاروان آخرت میں جوان بوڑھے، تندرست و توانا سب ہی شامل ہو رہے ہیں۔ دھیرے دھیرے ایک ایک کر کے اپنے چاہنے والے زیر زمین نہ جانے کس نگری کی طرف چلے جا رہے ہیں۔

سہ دیکھو جیسے راہ فنا کی طرف رواں تیرے محل سرا کا یہی راستہ ہے کیا؟

اور سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں آپ کا انتقال یکم محرم الحرام بروز پیر ہوا۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ میں اس دن گھر سے فون پر رابطہ کی برابر کوشش کرتا رہا کہ اہل خاندان کو نئے اسلامی سال کی مبارکباد پیش کروں۔ لیکن سوئے قسمت فون پر رابطہ نہ ہوسکا۔ ورنہ حادثہ کی بروقت اطلاع پاتا۔ اور شاید جنازے میں شرکت کی سعادت بھی حاصل کرتا۔ لیکن زندگی کی بہت سی بد نصیبیوں کی طرح آپ کے آخری دیدار سے بھی محروم ہی رہا۔ ع اے بسا آرزو کے خاک شدہ۔

بالکل اسی طرح آج سے ۱۲ سال قبل جب میں جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں زیر تعلیم تھا تو اپنی عظیم مرحومہ دادی صاحبہؒ کی زندگی میں ان سے ملاقات کی حسرت دل میں ہی رہ گئی۔ اور آپ میری غیر موجودگی میں انتقال فرما گئی تھیں۔

مر جاتے جاتے الوازع ہم سے نہ کہنے پاؤ گے اتنا چھوٹا زندگی کا راستہ ہو جائے گا جس کی زندگی کا سورج ابھی نصف النہار پر تھا۔ جو اپنے چھوٹے بچوں کی دینی و دنیاوی تربیت و پرورش میں پوری طرح مستغرق تھیں۔ جس کی ممٹا کی گود اپنے نونہالوں کیلئے ایک سائبان تھی۔ اور جس کا بچوں کے ساتھ لگاؤ مثالی اور منفرد تھا۔ اچانک ہی موت کی آندھی نے پلک جھپکے ہی قیامت برپا کر دی۔

آہ جیسے زندگی عزیز تھی اور زندگی سے عزیز تر معصوم لاڈلے بچے تھے۔ جن کی خاطر ہی آپ نے قبل از وقت حفظ ماتقدم کے طور پر آپریشن کی حامی بھر لی تھی کہ بروقت آپریشن ہو جائے تاکہ بعد کی زندگی میں بچوں کیلئے کوئی پریشانی نہ ہو۔ معلوم نہ تھا کہ مرگ ناگہانی کتنی قریب آچکی ہے۔ آپ کو خبر نہ تھی کہ اس بد قسمت عہد کے مسیحاؤں کے ہاں زندگی نہیں موت بانٹی جاتی ہے۔ آپریشن کے فوراً بعد آپ کی ناسازی طبع و تکلیف بڑھتی چلی گئی موقع پر موجود عزیزوں اور رشتہ داروں کی بار بار اطلاع و شکایت کے باوجود کسی ڈاکٹر یا عملہ نے مریض پر خاص توجہ معمول کے مطابق نہیں دی۔ (حالانکہ آپ کو آفیسر وارڈ میں داخل کیا گیا تھا) ہسپتال کا عملہ صرف طفل تسلی دیتا رہا۔ دو تین گھنٹوں کی اذیت ناک تکلیف وہ صورتحال کے بعد آپ کی حالت مزید بگڑ گئی۔ آپ نے موت سے قبل سب کو بتایا کہ میری زندگی کے آخری لمحات قریب ہو رہے ہیں۔ کسی ڈاکٹر کو بلاؤ۔ کسی "نام نہاد مسیحا" کو بلاؤ۔ آخر کار ڈاکٹروں اور ہسپتال کے عملے کی مجرمانہ غفلت کے نتیجے میں اپنی بہن کے ہاتھوں میں جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)۔ ہمارے خاندان نے کمال صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہسپتال کے عملہ اور ڈاکٹروں کو اللہ کی رضا کیلئے

معاف کر دیا۔ لیکن جانے کب تک اس ملک کے "شفاحانوں" میں روزانہ کتنے بے گناہ اور معصوم لوگ ڈاکٹروں اور نرسوں کی عدم توجہ اور لاپرواہی کے ہاتھوں موت کے زہریلے ساغر پینے پر مجبور ہوتے چلے جائیں گے۔ یوں تو ہمارے ملک کا ہر شعبہ زندگی بیٹھ گیا ہے۔ لیکن خصوصاً محکمہ صحت کا ہمارے ہاں جو برا حال ہے شاید ہی وہ دنیا کے کسی محکمہ صحت کا ہو۔ جانے کب کوئی خضر راہ اس بھٹکے ہوئے ملک و قوم کو صحیح سمت کی طرف لائے گا۔ اور جانے کب تک اس ملک کے "شفاحانوں" اور ہسپتالوں میں غریب و معصوم مریضوں کی زندگیوں کے چراغ بے وجہ بجھتے چلے جائیں گے۔ ع کس کو آتی ہے مسیحائی کسے آواز دوں؟

آپ کی وفات کے بعد جب بچوں کی طرف دیکھتا ہوں تو ہر روز غم نازہ ہوتا ہے۔ جب بچے سکول سے گھر کی طرف دوڑ کر واپس ہوتے ہیں تو معمول کے مطابق مٹی سے ہی اپنی مشفق ماں کو امی امی کی دیوانہ وار صدا دیتے ہیں۔ اس امید پر کہ شاید ابھی ان کی ماں گھر کا بند دروازہ کھولے گی۔ لیکن اب ان کی ماں ان کے استقبال کیلئے موجود نہیں ہوتی۔ ان نونالوں کی بازگشت گھر کے در و دیوار سے ٹکرا کر ان کو رونے پر مجبور کرتی ہے۔ ستم ہائے زیست کا کیا کتنا بچوں کا ہرا بھرا اور پر رونق جنت نظیر گھر چند دنوں میں قبرستان میں تبدیل ہو گیا ہے۔ جو بچے سارا دن ماں کی تربیت اور ممتا کی آغوش میں گھر کے حدود میں خوش و خرم تھے آج ان کیلئے یہی گھر ماتم سرا ہو گیا ہے۔ خدا کی جانب سے ہم موت و حیات کے سارے فیصلوں پر راضی ہیں۔ لیکن پھر بھی جب نگاہ ان معصوم پھولوں کے مرجائے ہوئے چروں کی طرف اٹھتی ہے تو بھلا کونسا ایسا دل ہوگا جو خون کے آنسو نہ روئے گا؟ اور کونسی ایسی آنکھ ہوگی جو خون افشانی پر مجبور نہ ہو؟ ایسی جواں مرگ پر اگر غم کا اظہار صبر و رضا کے ساتھ تھوڑا بہت کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

ص دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

روئینگے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

اس دنیا میں زندہ رہنے والوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ یہاں ہر کوئی یہ سوچتا ہے کہ موت صرف دوسرے انسان کیلئے ہے۔ مجھے تو ابھی نہیں مرنا۔ ابھی تو فلاں فلاں کام کرنے ہیں، ابھی تو دنیا کمائی ہے، ابھی تو شباب ہے جوانی ہے اور زندگی کے مزے اڑانے ہیں۔ لیکن یہ سراسر ہماری خام خیالی اور غفلت ہے۔ موت کیلئے کیا جواں اور کیا بڑھاپا، کیا طاقت ور اور کیا کمزور، کیا غریب اور کیا امیر، کیا صحت مند اور کیا بیمار.....

ص اک مسلسل موت ہے اس کے سواہ کم سنی پیری جوانی کچھ نہیں

یہاں ہر ذی نفس و ذی روح موت کی امانت ہے، اور زندگی کی پرورش ہی مرگ ناگمانی کے لئے ہوتی ہے۔ یہ سنگ و خشت کا جہاں و مسکن عارضی ہے۔ اس خاک دان مٹی (انسان) کو نصیب چند نفس بائے سرد گرم اور کچھ روزہ زندگی حقیقت میں فقط سراب ہے۔ ذرا غور سے دیکھئے تو یہاں ہمارے نفس کے ٹوٹنے میں کتنا وقت لگتا ہے؟ اور نغمہ زلیست کے ختم ہونے میں کونے قرن وزمانے لگتے ہیں؟ ہم اپنی آنکھوں اور اپنے ہاتھوں سے روزانہ اپنے پیاروں کو خاک تیرہ میں دفن کرتے چلے جا رہے ہیں۔ لیکن ہمارے دلوں اور زندگیوں پر اثر نام کا کوئی رد عمل نہیں ہوتا۔ حالانکہ حدیث نبویؐ ہے: ”کفی بالموت واعظ“ موت و حیات پر اگر فلسفیانہ یا سائنسی نقطہ نگاہ سے نظر ڈالی جائے تو دو سوال ہی سے یہ قضیہ لاسخیل چلا آ رہا ہے اور رہے گا۔ اگر دین و مذہب اور اسلام نے ہمیں قرآن کے ذریعے عقیدہ آخرت اور دوبارہ حیات بعد الموت کا نظریہ اور عقیدہ نہ دیا ہوتا جس میں موت و حیات کو ہر لحاظ سے حل کر کے دکھایا گیا ہے۔ اگر یہ روشنی نہ ہوتی تو ایک انسان کا مرنا دوسرے انسان کو دیوانہ کرنے کیلئے کافی ہوتا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کون کس حالت میں مرنا ہے؟ اور اس کے پاس سفر آخرت اور ابدی زندگی کیلئے کیا سرمایہ و زاد راہ ہے؟ مرحومہ ہمارے مسلم معاشرے کی ایک بہترین نمونہ تھیں۔ آپ ایک ایسی ہستی تھیں جو حیا کی مجسم مورتی، صبر و رضا کا پیکر اور اس گئے گزرے دور میں مومنہ کاملہ کی زندہ تصویر تھیں۔ قرآن کی تلاوت، ذکر و نماز جس کا اور نہنا، بچھونا تھا۔ گھریلو خانہ داری اور نظم و نسق میں آپ سب سے ممتاز تھیں۔ آپ انتہائی کم گو اور ہر وقت خاموش رہتیں۔ نہ کبھی کسی نے آپ کو شکوہ سنا پایا اور نہ کبھی آپ نے عسر و مشکلات کی شکایت کی۔ خدا نے آپ کو شوہر بھی بڑا ہمدرد اور مخلص عطا فرمایا۔ جناب الحاج احتشام الحق صاحب نے ساری عمر آپ کو ہر طرح کے مشکل اوقات میں خوش رکھا۔ حادثہ کے بعد آپ کا مثالی حوصلہ قابل دید رہا۔ مرحومہ کی عابدانہ، صلحانہ اور شاکرانہ گزری ہوئی زندگی کو دیکھتے ہوئے یقین کامل ہے۔ کہ خداوند کریم نے آپ کا ٹھکانہ شجر طوبیٰ اور اعلیٰ علین میں مقرر فرمایا ہوگا۔ اور آپ کی آئندہ کی مبارک زندگی ہر غم، ہر فکر اور ہر رنج و ملال سے پاک ہوگی۔ خداوند ہمارے زخمی دلوں کو صبر و رضا کے مرہم سے مندمل فرما۔ خداوند اے تو ہی ان معصوموں کا بہتر والی اور کفیل و مددگار ہے۔ تو ہی انکی نصرت و تربیت فرما۔ کچھ عرصہ قبل آپ نے مجھے قاہرہ میں شفقت و محبت سے بھرپور ایک شفقت نامہ بھیجا۔ آپکے اس یاد گار خط کے ایک ایک لفظ سے صدق و صفا اور شفقت و محبت ٹپکتی تھی۔ میں نے بھی خلاف عادت آپ کے محبت نامہ کا بھرپور انداز میں فوری جواب دیا۔ اور آپ کی بیٹی کی شادی کی مبارکباد پیش کی۔ اور لکھا کہ جلد ہی اپنا کورس مکمل کر کے

وطن واپسی ہوگی۔ اور آپ سے علاء ملاقات ہو جائیگی۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ ہماری آخری بات چیت ثابت ہوگی۔

کل اس کی آنکھ نے کیا زندہ گفتگو کی تھی گماں تک نہ ہوا وہ پھڑنے والا ہے لیکن اب گردشِ دوراں کی ستم ظریفی دیکھتے کہ میں آج آپ کو مبارکباد دینے کے بجائے آپ کے مزارِ خاکی پر فاتحہ کیلئے حاضر ہوا۔ لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ آپ کی خاک مرقدِ مجھ سے بزبانِ غالب یوں شکوہ سنج ہے۔

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک آپ دارالعلوم میں واقع قبرستان میں اپنے والدین کے پہلو میں حسبِ تمنا، حسبِ آرزو اور حسبِ خواہش آسودہ خاک ہیں۔ آپ اپنے بزرگ اور عظیم والدین کی ایسی نیک اور صالح اولاد تھیں تو یقیناً خداوند کے حضور آپ کے والدین کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑی ہوگی۔ بلکہ ملائکہ کے ہمراہ آپ نے بھی اپنے طہت جگر کا گرم جوشی سے استقبال کیا ہوگا۔ ”يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّاتٍ“ سبزہ نور سے اس گھر کی نگہبانی کرے

اظہارِ سپاس

بندہ اپنے ان تمام محترم کرم فرما قارئین ”الحق“ اور معزز و مشفق بزرگانِ دین و ملت کادل کی گہرائیوں سے شکر گزار و ممنون ہے۔ جنہوں نے میری ”الحق“ سے طویل غیر حاضری کے باوجود اس ناکارہ کے نام محبت و شفقت سے بھرپور خطوط اور مکاتیب بھیجے اور اپنی نیک خواہشات اور دعاؤں میں مجھے یاد کیے رکھا۔ چونکہ راقمِ جنوری میں عربی لینگویج کورس کیلئے جامعہ الازھر مصر گیا تھا۔ الحمد للہ مئی کے اواخر میں اس کورس کی تکمیل ہوئی۔ میں اس دوران اپنے محبوبانِ کرام کو جواب دینے سے قاصر رہا۔ لہذا معذرت خواہ ہوں۔ انشاء اللہ میری یہ کوشش رہیگی کہ اپنے ان تمام محسنین کے خطوط کا جواب لکھوں۔ آخر میں بندہ کے ساتھ پھوپھی ”محترمہ و مرحومہ کی وفات پر اظہارِ تعزیت کرنے والوں کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس درد انگیز لمحے میں ہمارے ساتھ تعزیت کی۔

طالب دعا: راشد الحق سمیع حقانی۔ مدیر ”الحق“

